فرمانروانِ اودھ کے عہد میں فن رقص وموسیقی کی ترقی

کلیدی الفاظ: رقص# موسیقی# ترقی# ثقافت# معاشرت# اودھ# عہد#

ڈاکٹر ریحانہ بیگم
مکان نمبر 157/60 دیوان دیارام۔
ریتی چوک گورکھپور یو۔پی273005
موبائل نمبر-9889050029

ملخص: موجودہ مضمون میں اودھ کی معاشرتی وثقافتی تاریخ کے ساتھ اودھ کے سیاسی حالات کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔قدیم زمانہ سے ہی اودھ کا علاقہ ہندو مذہب تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔سلطنت حکومت کے دور میں صوبہ اودھ کا علاقہ دہلی کے سلطانوں کے لئے بہت ہی خاص اور اہم تھا۔مغلیہ دور حکومت میں صوبہ اودھ بھی حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا۔سیاسی حکومت کے اقتدار کے ساتھ ہی ساتھ اس علاقہ کے سماجی مذہبی۔ثقافتی واقتصادی زندگی کو چھونے والے سبھی پہلو متاثر ہوئے۔

اٹھارہویں صدی کے ابتدائی دور میں جب مغلیہ حکومت زوال پذیر ہونا شروع ہوئی ،نواب سعادت خاں برہان الملک نے ستمبر۱۷۲۲ء میں اودھ کی صوبہ داری حاصل کر کے اودھ میں نوابی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔اودھ کے ساتھ میں نواب غازی الدین حیدر نے اکتوبر۱۸۱۹ء میں اپنی تاج پوشی کرا کر اودھ میں خودمختار حکومت کا اعلان کر دیا نواب واجد علی شاہ اودھ کے آخری حکمراں تھے۔ مذکورہ دور میں اودھ کی معاشرت وتہذیب کی تشکیل میں اودھ کی شہری زندگی کے خاص مراکز کا بہت اہم حصہ تھا۔

نوابین وشاہانِ اودھ کے دور میں شہر لکھنؤ میں ایک مخصوص تہذیب کے

پروان چڑھتے اور فروغ و استحکام میں اس عہد میں اس شہر کے تقریباً دوامی امن و امان کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔لکھنؤ کی تہذیب اپنی جگہ پر ایک ایسی حسین وجمیل اور پر کیف دنیا تھی جس کو فرمانرواانِ اودھ کے دور اقتدار میں بسایا اور آباد کیا گیا تھا۔ان حکمرانوں نے اس کی بنیاد کچھ ایسی ہنرمندی اور اتنے خلوص وانہماک سے رکھی تھی کہ انتزاع سلطنت کے بعد بھی اس کے آثار موجود تھے۔

لکھنؤ ایک انتہائی دلفریب اور گراں قدر تہذیب کا مرکز تھا۔اس تہذیب کی تخلیق میں لکھنؤ کے حکمراں نوابین ، رؤسا و امراء امیر و غریب عالم و جاہل ، ہندو مسلمان ،شاعر،صوفی ،تاجر،فقیر سپاہی وشہری۔مرد وزن سبھی کا بقدر حیثیت و ہمت حصّہ تھا۔اس تہذیب نے زبان کو جلا دی اور صحت زبان پر بھر پور زور دیا۔رنگینی لطافت ونزاکت کی چہل پہل کے مابین خدمت گاروں ،مصاحبوں ،داستان گویوں ،کارندوں ،شعراء، فنکاروں ،موسیقاروں ،مصوروں ،سازندوں ، رقاص ،مغنیوں ، کلاکاروں کی پرورش اور سرپرستی کی سیر وتفریح کے میدان گرم کئے۔الغرض اس دور میں فنون لطیفہ کی بہت ترقی ہوئی۔ بالخصوص رقص اور موسیقی کے فن نے کافی عروج حاصل کیا۔اس مضمون میں اودھ میں رقص وموسیقی کی ابتداء،عروج وترقی کے ساتھ اودھ میں مقبولیت حاصل کرنے والے فنکار۔ اس فن کے نامور ماہرین ڈاکٹر ریحانہ بیگم راگ راگنیوں کے موجد اورعوام وخواص میں اہل فنون کی مقبولیت اور قدر ومنزلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔آخری دور میں اس طرز موسیقی میں بڑی بڑی لطافتیں پیدا کردی گئی تھیں۔

اودھ کا علاقہ زمانہ قدیم سے ہندوستان کی تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل اور ہندو مذہب ،تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ ہندوستانی مذہبی گرنتھوں ،کتابوں اورلٹریچر میں اس کی جانکاری کافی تفصیل سے ملتی ہے۔سلطنت حکومت کے دور میں یہ علاقہ دہلی کے سلطانوں کے لئے کئی معنوں میں بہت ہی خاص اور

اہم تھا شمال مغرب سے آنے والی قوموں کو ان علاقوں میں آباد کیا جاتا تھا تاکہ وہ یہاں کی زمینداری پر اقتدار حاصل کر کے یہاں نظم ونسق قائم کریں۔اس پالیسی (Policy) کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں ہندو زمینداروں کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلم زمیندار بھی آباد ہو گئے۔مغل بادشاہوں کے عہد میں صوبہ اودھ حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا۔شہنشاہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب مغل حکومت کا زوال شروع ہوا تو جس طاقتور امیر کو جہاں موقع ملا اس نے اپنے علاقے کے حدود ورقبہ کی توسیع کرا پنی نجی حکومت قائم کی۔صوبہ بنگال میں مرشد قلی خاں کے خاندان کی حکومت رہی ۔ دکن میں نظام الملک آصف جاہ نے ایک خود مختار خاندانی حکومت قائم کی اور نواب سعادت خاں برہان الملک نے اودھ کی صوبہ داری حاصل کر کے اودھ میں نوابی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

تقریباً ایک صدی کا زمانہ جو نواب سعادت خاں ۱؎ برہان الملک کے ستمبر ۱۷۲۲ء میں اودھ کے صوبہ دار کے طور پر تقرری سے شروع ہوا اور ۱۸۱۹ء میں نواب غازی الدین حیدر نے اپنی تاج پوشی کرا کر اودھ میں خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا۔اس طرح ۱۷۲۲ء سے ۱۸۱۹ء تک کا دور اودھ میں نواب وزیر کی حکومت سے منسوب ہے۔

۲؎ دوسرا دور اکتوبر ۱۸۱۹ء سے غازی الدین حیدر کے بادشاہت اختیار کرنے سے لے کر اودھ کی آخری حکمراں نواب واجد علی شاہ کے عہد میں فروری ۱۸۵۶ء میں اودھ کا انگریزی حکومت میں الحاق ہونے تک کا زمانہ اودھ میں بادشاہی دور مانا جاتا ہے۔

مذکورہ نوابین وشاہانِ اودھ کے دور میں اودھ کی تہذیب پروان چڑھی جب اودھ کے حکمران اور امراء ایک عدیم الفرصت طبقہ میں تبدیل ہو گئے جن کے پاس فرصت ہی فرصت تھی اور وہ اوقات گزاری کے لئے مختلف شغلوں کی تلاش میں تھے جو ان کو ہر اس شخص نے مہیّا کرائے جو ان سے منسلک تھے یا جن

سے ان کا برابر ربط ضبط تھا چنانچہ اس تہذیب نے معاشرے میں تعلیم و تربیت، گفتار و تکلم، صحت، زبان، سرو تفریح کے ساتھ فنون لطیفہ کو بھی کافی عروج حاصل ہوا۔ بالخصوص حکمرانوں اور امراء کی سرپرستی میں مصوری، رقص و موسیقی بھی جدا گانہ طور پر پروان چڑھ کر اپنی منفرد چھاپ چھوڑ گئی۔

رقص ۔رقص ہندوستان کا قدیم ترین فن تھا جسے اودھ کے حکمرانوں نے بجنسہٖ اپنا لیا تھا اوران کی قدر دانی وسرپرستی نے اسے خواص وعام میں مقبول بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں موسیقی کی طرح رقص بھی عبادت میں شامل تھا۔ اس فن کے جاننے والے خاص برہمن تھے اوران کا مرکز اجودھیا اور بنارس کے کتھک نیز متھرا اور برج کے رہس دھاری تھے۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے ہے مندروں میں دیوتاؤں کے سامنے عورتوں کے رقص پیش کرنے کا دستور تھا۔ یہ عورتیں دیوداسیاں کہلاتی تھیں اور انھیں رقص کی تعلیم دینے والے گروعموماً مرد ہی ہوا کرتے تھے۔

ہندوستانی روایتی ناٹکوں (سوانگ) کے شمالی ہندوستان کے خاص مراکز اجودھیا اور بنارس میں بہت پہلے ہی سے رقص موجود تھا جن کا ایک خاص فن تھا۔ جب دہلی سے رقص کے فنکار اودھ میں آ کر آباد ہوئے تو وہ اپنے ساتھ عہد مغلیہ کی رقص کی فنّی روایتیں بھی ساتھ لائے تھے۔ان دونوں کے باہمی میل جول سے اودھ میں رقص کے فن کی ایک نئی طرز وجود میں آئی جس کا اپنا الگ انداز تھا۔ بنارس اوراودھ کے رقص کا انداز خالص مذہبی تھا۔فرمانروایانِ اودھ کی سرپرستی اورقدر دانی کے باعث یہ فن امراء وعمائدین سے لے کرعوام تک سبھی میں مقبول ومعروف ہوا۔ امراء کے لئے ناچ دیکھنا ایک طرح سے ان کے روزانہ کے ضبط واوقات میں شامل تھا۔عیش وعشرت کے لوازمات سے اودھ کے لوگوں کو بھی دلچسپی اور گہرا شغف تھا۔ اہل طرب کے بغیر لوازمات امارت کی تکمیل نہیں ہوتی تھی۔[۳]

اودھ میں رقص کرنے والے مردوں کے دو گروہ تھے ایک ہندو کتھک و رہس دھاری اور دوسرے کشمیری بھانڈ۔۴؎ لیکن درحقیقت اصلی ناچ کا فن کتھک کے فنکاروں میں تھا۔ رہس دھاری ناچ کی روایت سے بعد میں ''سبھا'' سبھا کا جنم ہوا جو ناٹک کا ابتدائی دور تھا۔ ہندو کتھکیوں میں سے کوئی نہ کوئی باکمال رقاص ہر ایک حکمران اودھ کے دور میں اودھ دربار سے وابستہ تھا۔ نواب وزیر شجاع الدولہ۵؎ اور آصف الدولہ کے عہد میں خوشی مہاراج ناچنے کا بڑا زبردست استاد تھا ۔اس کے علاوہ سعادت علی خاں اور غازی الدین حیدر کے عہد میں بلال جی۔ پرکاش جی اور دیالو جی نے بہت شہرت حاصل کی تھی۔ سعادت علی خاں کو بھی رقص وسرور سے خاص لگاؤ تھا اور ناچنے گانے والوں کو ان کی درباری سرپرستی حاصل تھی۔ ان کے عہد میں الہ آباد سے پرکاش جی نامی بڑا نامور رقاص لکھنؤ آیا تھا جو بتاشے اور کوڑی پر رقص کرتا تھا اور دقیقہ علم موسیقی کا اس سے فروگزاشت نہیں ہوتا تھا۔ سعادت علی خاں نے اس کی بیش قرار تنخواہ مقرر کر کے اپنے دربار میں ملازم رکھ لیا تھا اور اس سے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں حاصل تھے۔۵؎

فرمانراوایانِ اودھ کے ارباب نشاط کی قدردانی اور انھیں درباری سرپرستی دینے کے علاوہ امراء اور عوام کا رقص کے تئیں بے حد شوق نے اودھ میں بڑے بڑے کمال رقاص پیدا کر دیے تھے جو بڑی مہارت سے تلوار کی باڑھ پر بتاشوں اور کوڑیوں پر رقص کرتے تھے۔ اور انھیں نہ تو تلوار کی باڑھ زخمی کرتی تھی نہ بتاشے ٹوٹتے تھے اور نہ ہی کوڑیاں پیروں کے نیچے پھسلتی تھیں۔ اسی لئے لکھنؤ میں فنِ رقص میں ماہر کئی گھرانوں کا جنم ہوا جن میں ایک کے بعد ایک کئی باکمال رقاص ہوئے جن کی شہرت تمام صوبہ میں تھی۔ ان میں سب سے نامور گھرانہ پرکاش جی کا تھا۔ محمد علی شاہ سے لے کر اودھ کے آخری حکمراں نواب واجد علی شاہ کے عہد تک پرکاش جی کے بیٹوں درگا پرساد اور ٹھاکر پرساد نے رقص میں بہت عروج حاصل کیا تھا۔ ان کے بعد درگا پرساد کے بیٹوں کالکا پرساد اور بندادین

نے رقص کے تمام فنون میں کمال حاصل کر کے استاد بے بدل کی اپنی حیثیت کو ثابت کر دیا تھا۔

ناچنے والے مردوں کا دوسرا گروہ بھانڈ تھا۔ان کا مخصوص کام لوگوں کی نقلیں اتارنا اور سوانگ بھرنا تھا۔ان کے مجرے کی شان یہ تھی کہ ایک خوبصورت نوخیز لڑکا جس کے بال عورتوں کی طرح لمبے ہوتے تھے گوٹے پٹے والے رنگین کپڑے پہن کر اور پاؤں میں گھونگھرو باندھ کر ناچتا گاتا تھا۔اس کے ناچ میں ہاؤ بھاؤ،جسم کی تھرکن ، چال ڈھال میں غیر معمولی شوخی اور چالاکی ہوتی تھی اور اسی کے مناسب اس کا نغمہ بھی ہوتا تھا۔اس کے ہمراہ سازندے کے علاوہ سات آٹھ بھانڈ بھی رہتے تھے جو اس کے رقص کے بعد نقلیں کرتے اور سوانگ بھرتے تھے۔ ٦ ان کا پہلا کرتب گھوڑے بننا اور گھوڑے چھوڑنا تھا جس میں شہسواری کے تمام اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں۔اس کرتب بازی اور بھانڈ کے رقص وموسیقی کے درمیان اس رئیس کی نقل اتاری جاتی تھی جس کے یہاں وہ مدعو ہوتے تھے۔ لیکن کسی امراء کی ذاتی محفلوں میں بھانڈوں کا سوانگ دوسرے قسم کا ہوتا تھا۔ اپنے سوانگ کے ذریعہ وہ سماج میں مختلف طبقوں کی زندگی کی عکاسی کرتے تھے ۔ان بھانڈوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان لوگوں نے بڑی ہی سادہ لیکن انتہائی سنجیدگی اور لطافت سے چوٹ کر کے وقت رہتے امراء طبقہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھی جو کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں تھا۔

اودھ میں بہت سے ماہر فن اور باکمال بھانڈوں نے یہاں نام ونمود اور عروج حاصل کیا جیسے کریلا بھانڈ، سجن، قائم، دائم، دجبی، نوشاہ، بی بی قدر وغیرہ۔ آخر زمانے میں فضل حسین ، کھلونا ، بادشاہ پسند کہا خوب اعلیٰ جان وغیرہ کے طائفوں نے بڑی ناموری حاصل کی تھی اور اس فن میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

اودھ کے معاشرہ پر ان سب لوگوں سے زیادہ نمایاں اثر ڈومنیوں کا پڑا

تھا۔ سبھی گاؤں اور شہروں میں پرانے زمانے سے ہی شادی بیاہ میں گانے والی مریاشنیں اور جاگنیں ہوتی تھیں لیکن ان کا رہن سہن ڈفالیوں سے ملتا جلتا تھا۔ مگر ڈومنیوں نے لکھنؤ میں بہت زیادہ نام ونمود حاصل کیا تھا اور شادی وغیرہ کی سبھی رسمیں بھی انھیں کے ہاتھوں ادا ہونے لگی تھیں۔ طوائفوں اور مردانے طائفوں کی طرح ڈومنیوں نے بھی ڈول کی جگہ سارنگی، طبلہ اور مجرے کو اپنا لیا تھا۔ ناچنے کے علاوہ بیگمات کی محفلوں میں یہ بھانڈوں کی طرح سوانگ بھرنے اور نقلیں بھی اتارنے لگی تھیں۔ ان کی شوخیوں اور دلفریب جدت طرازیوں کی وجہ سے مردانی محفلوں کی بہ نسبت زنانی محفلیں زیادہ شاندار اور حد درجہ دلکش و پرلطف ہوتی تھیں ۔

اودھ میں گویوں اور ناچنے والوں کی طرح اسی نوعیت کا ایک دوسرا گروہ بھی تھا جس کی نشو ونما لکھنؤ میں زیادہ ہوئی تھی جو رہس والے تھے۔ رہس خاص طور سے متھرا اور برج کا فن تھا۔ وہیں کے رہس دھاریوں نے آ کر لکھنؤ والوں کو اس کا شوق دلایا اور نتیجہ کے طور پر یہاں بھی رہس کی طرف لوگوں شوق بڑھنے لگا تھا۔ اس رجحان کے باعث دربار کے باہر شہر میں رہس والوں کے طائفے اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ رہس عموماً رات کو ہوتا تھا خاص کر کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر جو ایک طرح سے ناٹک کی اوّلیں منزل تھی۔ رہس سے ہی سبھا پیدا ہوئی تھی۔ اس فن کا ایک حصہ نوٹنکی تھا جس میں کسی ایک خاص قصہ کہانی کو لے کر اسے موسیقی اور اداکاری کے سہارے ناٹک کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا جس میں بہادری کی داستانوں اور عظیم شخصیتوں کے زندگی کے واقعات کو دکھایا جاتا تھا۔

موسیقی :۔ ہندوستان میں سنگیت کے آغاز کی ابتدائی شکل ایشور کے بھجن اور عبادت کی تھی لیکن بعد کے زمانے میں مصر، بابل اور ایرانی موسیقی کے باہمی امتزاج کی وجہ سے ہندوستانی موسیقی کے فن میں تبدیلی رونما

ہوئی جس کے باعث سات سروں کی ایجاد ہوئی۔

ہندوستان میں موسیقی کی تقسیم پوجا میں برہما۔ وشنو اور مہیش کی شان میں گائے جانے والے راگوں کی مناسبت سے کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے تین قسم کے راگ بن گئے تھے۔ اول راگ کے متعلق ایسا خیال ہے کہ برہمنوں نے کسی کو نہیں بتایا۔ صرف ان کے خاندان میں زبانی طور سے چلتا رہا اور جب خاندان ختم ہوا تو اس کے ساتھ یہ فن بھی ختم ہو گیا۔ جو راگ زندگی کے تمام مراحل یعنی موت اور ثواب وعقاب سے وابستہ تھے جو اکثر مہیب خوف دلانے والے اور دل پر عالم کے فانی ہونے کا اثر ڈالنے والے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ عاشق مزاج خواہاں ہوتا ہے۔ اس لئے عاشقانہ راگ اسی قسم میں شامل کئے گئے۔ اس قسم کے راگ عموماً ''بروگ'' کے نام سے موسوم تھے۔ ان کے راگ بھیرو سرس راگ اور راگنیاں بھیروی، پرچ کانگڑا۔ سوہنی۔ سندھ اور پیلو وغیرہ ہیں۔ بعد ازیں جب برہمنوں کو راجاؤں اور حکمرانوں کے دربار میں ان کی مدح سرائی کے نغمے گانے پڑے تو راگ مالکوس، درباری، شاہانہ یا اڑانہ وغیرہ راگوں کی ایجاد ہوئی۔

عراق میں عباسی دورِ حکومت میں عربی اور فارسی موسیقی سے مل کر ایک نیا فن غنا ایجاد ہوا جو ساری دنیا میں پھیل گیا اور وہی آخر میں عجمی موسیقی کہلایا۔ مسلمان اسی موسیقی کو اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے اور ان کے آلات طرب، سرود، چنگ شہنائی یا سینائی اور رباب تھے۔ عجمی قوالوں کے گیتوں نے ہندوستانی موسیقی پر اپنا تھوڑا بہت اثر ضرور ڈالا لہٰذا ان کے بہت سے، راگ ہندوستانی موسیقی میں شامل ہو گئے۔ زنگولہ، جنگلا، زیف، شاہانہ، درباری، ضلع کھماج وغیرہ کے نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عجمی راگ ہیں جو ہندوستانی موسیقی میں شامل ہو گئے۔

اودھ کے حکمرانوں میں موسیقی کا شوق نواب شجاع الدولہ[8] کے عہد سے چلا آ رہا تھا۔ مغل شہنشاہ شاہ عالم کے نائب وزیر منیر الدولہ کے فیض آباد آنے

پر شجاع الدعلہ نے ان کا بڑا شاندار خیر مقدم کیا تھا اور اس موقع پر ۲۴ / ذیقعدہ ۱۱۸۳ء مطابق ۲۱ / مارچ ۱۷۷۰ء کو جو جلسہ منعقد کیا تھا اس میں رقص وسرور کا بھی خاص انتظام کیا گیا تھا۔ اس میں پانچ ہزار سے زائد اہل نشاط ،طوائف ،موسیقار ۔ سوانگ بھرنے والے مرد عورت اداکار اور بازی گر وغیرہ نے حصہ لیا تھا۔۹ موسیقی کے شوقین ہونے کے علاوہ نواب وزیر شجاع الدولہ اس فن میں اچھی خاصی مہارت بھی رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے عہد میں موسیقی بہت ترقی پر تھی۔ شجاع الدولہ کے عہد میں فنکاروں کو درباری سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے کونے کونے سے مطرب ورقاص اودھ میں جمع ہو گئے تھے۔ جن میں دہلی اور تاب سین کے ''دبستان موسیقی'' گوالیار گھرانے کے استادانِ موسیقی بھی شامل تھے۔ یہاں باہر سے آنے والوں کے علاوہ اجودھیا، بنارس اور جونپور کے وہ فنکار بھی تھے جو اسی صوبے کے حدود سلطنت میں پیدا ہوئے تھے اور انھیں کلاسکی رقص وموسیقی میں کمال حاصل تھا۔ ان سب کے باہمی ربط واتصال اور اشتراک سے اودھ میں موسیقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

نواب آصف الدولہ ۱۰ کا موسیقی سے زیادہ لگاؤ ہونے اور ان کی درباری سرپرستی وہمت افزائی کی وجہ سے فن موسیقی کی وہ کتاب تصنیف ہوئی جو'' اصول النغمات الآصفیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔۱۱ نواب سالار جنگ بھی فن موسیقی کے بڑے ماہر تھے۔ ان کے علاوہ کچھ طوائفیں بھی جیسے بڑی مصری۔ سندر جان ۔ سلارو ۔ کریم بخش ، رادھا اور متھو وغیرہ کا شمار اس دور کے ماہر گانے والیوں میں ہوتا تھا۔ نواب وزیر علی خاں کو بھی رقص وموسیقی سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کے زمانے میں مرزا وارث علی خاں ارباب نشاط کا داروغہ مقرر ہوا تھا اور بیشتر کلاوت اور قوالوں کو اعلیٰ مراتب بخشے گئے تھے۔۱۲

نواب وزیر سعادت علی خاں ۱۳ کو بھی موسیقی سے گہرا شغف تھا اور فرصت کے اوقات میں وہ رقص وموسیقی سے لطف اندوز بھی ہوتے تھے لیکن ایسے

جلسے عموماً رات کے وقت بعد طعام ہی منعقد ہوتے تھے۔ان کے بعد غازی الدین حیدر۱۴ کے عہد میں اس فن کو زیادہ ترقی حاصل ہوئی اور کئی ماہر موسیقار اس زمانے میں لکھنؤ میں تھے۔جن میں اس دور کے باکمال موسیقار حیدری خان نے اس فن میں زیادہ شہرت حاصل کی تھی ۔ یہ اپنی وارفتہ مزاجی کی وجہ سے لکھنؤ میں ''سڑے حیدری خان'' کے نام سے معروف تھے اور گولا گنج میں سکونت رکھتے تھے۔ غازی الدین حیدر کو ان کا گانا سننے کا بڑا شوق تھا۔۱۵ ان کے علاوہ رجب علی اور فضل علی دو درباری قوال اور سہرو بائی نامی طوائف جو دکن سے آ کر شاہی ملازمین میں شامل ہوگئی تھی اس فن کے ماہر تھے اور اس عہد میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ان کے علاوہ چھجو خاں غلام رسول خاں کا شمار ماہر قوالوں میں اور بخشو۔سلاوری کا شمار باکمال طبلہ بجانے والوں میں ہوتا اور اسی زمانے میں شوری کو زبردست شہرت ٹپے کے موجد کے باعث حاصل تھی۔۱۶

نصیرالدین حیدر بھی فن موسیقی اور مغنیوں کے بہت قدرداں تھے ۔ انھیں موسیقی کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ ہر روز رات کو کھانے کے بعد جو جلسے اور تماشے منعقد ہوتے تھے ان میں نغمہ وسرور کو خصوصیت کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی ۔ ایک کشمیری مغنیہ کو پہلی رات کو گانے کی تقریب میں ایک ہزار روپے اور دوسری رات کو دو ہزار روپے انعام دیئے تھے ۔محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کے عہد میں تقدس اور ثقاہت کی وجہ سے شاہی دربار میں موسیقی کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا ۔لیکن نواب واجد علی شاہ کے عہد میں فن موسیقی کو زیادہ عروج اور درباری سرپرستی حاصل ہوئی ۔ واجد علی شاہ کے دربار میں قطب علی خاں، چھوٹے خاں، غلام رضا خاں، غلام حیدر خاں، غلام نبی خاں، محمد حسن خاں حیدر علی، نثار علی، خواجہ بخش خاں وغیرہ بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے اور ان کا شمار اپنے وقت کے فن موسیقی کے ماہرین میں ہوتا تھا جو پری خانہ کی مہ جبینوں کو موسیقی کی تعلیم دیتے تھے۔نواب واجد علی شاہ نہ صرف فن موسیقی کے قدرداں تھے بلکہ بہت سی راگنیوں کے موجد

بھی تھے اور اس فن میں پوری بصیرت رکھتے تھے۔ ۱۷ تاریخ خانہ میں وہ اپنے درباری مفتی قطب علی خاں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ فن موسیقی جس قدر جانتے تھے کہ نائک بیجو نائک گوپال اور تان سین وقت تھے۔ واجد علی شاہ نے اسی سے ستار بجانا سیکھا تھا اور پھر وہ مہارت پیدا کرلی تھی کہ سن کر محفلیں دنگ رہ جاتی تھیں۔ ۱۸ غلام رضا محمد حسن خاں۔ حیدر علی۔ نثار علی اور خواجہ بخش خاں جیسے ماہر فنکار ولیعہد کے زمانہ سے ہی واجد علی شاہ کے دربار سے منسلک تھے۔ واجد علی شاہ کے عہد میں نتھو خاں۔ غلام نبی۔ گھمن مجرا کرنے و مسرود بجانے میں اور غلام حیدر ستار بجانے کے لئے مشہور تھے۔ ان فنکاروں کے علاوہ ثابت علی اور چھجو دو مشہور سازندے اور چھوٹے خاں طبلہ باز نے بھی کافی نام ونمود حاصل کیا تھا۔

نواب واجد علی شاہ کے شاہی دربار کے علاوہ اودھ کے دوسرے امراء و عمائدین کے نجی درباروں سے بھی بڑے بڑے باکمال موسیقی داں وابستہ تھے۔ جن میں پیارے خاں جعفر خاں۔ حیدر خاں۔ باسط خاں ان کے لڑکے محمد علی خاں اور وزیر علی خاں کا تعلق تان سین کے گھرانے سے تھا۔ وزیر علی خان ریاست رام پور میں اور محمد علی خاں ریاست پرسنڈہ میں ملازم تھے۔ نعمت اللہ خاں جو علم موسیقی میں باسط خاں کے شاگرد تھے تقریباً گیارہ سال تک مٹیا برج میں واجد علی شاہ کے ساتھ رہے۔ پھر ان کے بعد تیس برس تک دربار نیپال سے منسلک رہے۔ نواب واجد علی شاہ کے درباری و مصاحب گویوں میں سے انیس الدولہ اور مصاحب الدولہ فن موسیقی میں پیارے خاں کے شاگرد تھے جو بہت بڑا صاحب کمال استاد تھا۔ باسط خاں نے واجد علی شاہ کو فن موسیقی کی تعلیم دی تھی اور بادشاہ نے بھی علم موسیقی کو بڑے ذوق وشوق اور ریاضت کے ساتھ سیکھا تھا اور انھیں اس فن میں اساتذہ کا درجہ حاصل تھا۔ انھوں نے علم موسیقی پر تین کتابیں ''تاجو۔ بنی'' اور دلہن تصنیف کی تھی جن میں سے ''بنی'' کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی تھی اور یہ کتاب مطبع سلطانی مٹیا برج سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا نام

''راگ مالا'' ہے جو متعدد فصلوں میں منقسم ہے۔ ہر ایک فصل میں کسی ایک راگ کی تفصیل یعنی اس راگ کا نام۔ خواص۔ بول اور گانے کا وقت وغیرہ دیا ہے۔ اس میں راگ راگنیوں کے بول واجد علی شاہ نے خود تصنیف کئے تھے۔ بادشاہ کی تصنیف کردہ دادرے اور ٹھمریوں کی تعریف سید اسرار حسین نے بھی کی ہے۔ 19

واجد علی شاہ کی توجہ سے اہل لکھنؤ میں موسیقی کا بڑا شوق پیدا ہو گیا تھا اور ان کے اثر سے لکھنؤ کی موسیقی میں تغزل کا عنصر زیادہ بڑھ گیا تھا۔ دُھر پد اور خیال جیسی ثقیل و مشکل چیزوں کی جگہ ہلکی پھلکی چیزیں جن میں برہ اور جدائی کی کیفیات کا اظہار ہوتا تھا زیادہ مقبول ہو گئی تھیں۔ غزل ٹھمری کا چرچہ عام ہو گیا۔ کھماچ، بھیروی، جھنجھوٹی، سندورا، جوگنی، جوگیا، تلک مود، پیلو وغیرہ چھوٹی چھوٹی دلکش اور عام فہم راگنیاں اہل مذاق کے تفنن کے لئے منتخب کی گئیں۔ سوز خوانوں نے بھی جن میں سے اکثر پیارے خاں اور حیدر خاں کے شاگرد تھے انھیں عام پسند و عام فہم راگنیوں کو زیادہ رواج دیا۔ غرض کہ درباری پسندیدگی کی وجہ سے اس دور میں موسیقی عوام میں بہت مقبول ہو گئی تھی۔ مٹیا برج میں جو دھاڑی واجد علی شاہ کے دربار میں ملازم تھے ان میں احمد خاں۔ تاج خاں غلام حسین خاں اور ولی خاں کا شمار اس وقت کے زبردست صاحب کمال فنکاروں میں ہوتا تھا۔ طبلہ بجانے میں آخری عہد کے کامل محمد جی تھے جس کی سارے ہندوستان میں شہرت تھی۔ آخری زمانے میں صادق علی استاد بے بدل مانے جاتے تھے۔ چھوٹے منّے خاں اور بڑے منّے خاں۔ زہرہ مشتری اور چونے والی حیدری نے گانے میں خاص شہرت اور ناموری حاصل کی تھی۔

لکھنؤ میں موسیقی خاص و عام میں اتنی زیادہ مقبول تھی کہ خاص موقعوں پر منعقد ہونے والے جلسوں میں محفل انبساط کی کثرت ہوتی تھی۔ مرزا جعفر علی، حیدر بیگ خاں، نواب قاسم علی خاں اور جواہر علی خاں وغیرہ امراء کے یہاں تو روزانہ ہی رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں جو ان کے مصاحبوں کے لئے

تفریح کا ذریعہ ہوتی تھیں ۔ ۲۹؎ امراء طبقہ اور شرفاء طبقہ میں موسیقی کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ وہ دھنوں ۔ راگوں اور راگنیوں کو بخوبی پہچانتے تھے اور دو ایک ہی تان سن کر سمجھ جاتے تھے کہ فلاں گویا کس پائے کا ہے۔ نوابی دور حکومت میں اودھ کے موسیقاروں کو بہت زیادہ شہرت اور مراتب حاصل تھے۔ عوام میں بھی موسیقی کا شوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ پست درجہ کے بازاری لوگ اور سڑکوں پر گھومنے والے لڑکے بھی سوہنی ۔ بہاگ وغیرہ دھنیں اس خوبی سے گاتے تھے کہ سننے والے انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ لکھنؤ کی طوائفیں جیسے سندر جان رادھا۔ سلارو وغیرہ رقص و موسیقی کے فن میں بہت شہرت رکھتی تھیں ۔ اودھ میں موسیقی کے ماہرین کی بڑی قدر تھی۔ عوام میں بھی اس کا اتنا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ اودھ کے لوگ دھنوں اور راگنیوں کو خوب پہچانتے تھے اور ان کے محاسن و مصائب کا خاص شعور رکھتے تھے۔

☆☆☆

حوالہ جات

Refrences

۱؎ نواب سعادت خاں برہان الملک نے ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء میں نیشاپور خراسان سے آ کر ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں وہ مغل شہزادوں کی جاگیر کی دیکھ

بھال کا کام کرتے تھے ۔ مغل بادشاہ محمد شاہ نے ۹ ستمبر ۱۷۲۲ء میں سعادت خاں کو اودھ کی صوبہ داری عنایت فرمائی اور برہان الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔

۲؎ کمال الدین حیدر ۔ سوانحات سلاطین اودھ جلد اوّل ۔ ص ۴۳، نجم الغنی ۔ تاریخ اودھ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۲۶

of 1722- 1856. P.5

۳۔ مرزا محمد حسن قتیل ۔ ہفت تماشہ ۔ص ۳۸: تاریخ اودھ ۔جلد سویم ۔ ص ۲۲۱، ۲۴۱، ۲۴۵، ۲۴۷، ریحانہ بیگم اودھ کی معاشرت و ثقافت تاریخ کے آئینہ میں، ص ۳۲۸

اودھ کی معاشرت وثقافت ۔تاریخ کے آئینہ میں ۔ص ۳۲۸

۴۔ لکھنؤ کے بھانڈوں پر ایک کتاب ہندی میں لکھنؤ میں چھپ چکی ہے۔

۵۔ لچھمی نرائن شفیق ۔رقعات لچھمی نرائن ۔ص ۲۲

۶۔ محمد حسن مرزا قتیل ۔رقعات مرزا قتیل ص ۲۳، مرزا جعفر حسین ۔قدیم لکھنؤ کی آخری بہار ص ۲۱۵، اودھ کی معاشرت اور ثقافت تاریخ کے آئینہ میں ص ۳۲۹ ۔۳۳۰

۷۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔عبدالحلیم شررؔ۔ گزشتہ لکھنؤ

۸۔ نواب وزیر شجاع الدولہ نواب صفدر جنگ اور صدر جہاں بیگم کی اولاد تھے ۔نواب صفدر جنگ اودھ میں نوابی حکومت کے بانی نواب سعادت خاں برہان الملک

کے بھانجے اور داماد تھے ۔صدر جہاں بیگم کا نام صدرالنساء بیگم تھا اور نواب عالیہ کے نام سے مشہور تھیں اور سعادت خاں برہان الملک کی لڑکی تھیں ۔نواب وزیر شجاع الدولہ کا اصل نام مرزا جلال الدین حیدر تھا۔نواب وزیر شجاع الدولہ ۱۷۵۴ء سے ۱۷۷۵ء تک اودھ کے حکمراں تھے ۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں صوبہ اودھ ایک منظّم اور مستحکم ریاست تھی ۔

۹۔ ہر چرن داس ۔ چہار گلزار شجاعی ص ۲۰۱، ولیم ہوئی ۔میمارس آف دہلی اینڈ فیض آباد ۔جلد دوم ۔ص ۸ ۔۹

۱۰۔ نواب آصف الدولہ اودھ کے چوتھے نواب وزیر تھے ۔ان کے والد

نواب وزیر شجاع الدولہ اور والدہ ماجدہ امت الزہرا بہو بیگم تھیں جو نواب محمد اسحاق خاں معتمد

الدولہ کی دختر اور مغل بادشاہ محمد شاہ کی منھ بولی بیٹی تھیں۔ نواب آصف الدولہ ۱۷۷۵ء میں تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے اپنے نائب نواب مختار الدولہ سید مرتضٰی خاں ہیبت جنگ کی صلاح سے فروری ۱۷۷۵ء میں فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو اودھ کا دارالحکومت بنایا۔

۱۱ تاریخ اودھ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸۳

۱۲ عبدالحلیم شرر۔ گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۱۹۱۔۱۹۲

۱۳ نواب وزیر سعادت علی خاں بواب آصف الدولہ کے متنبہ بیٹے نواب وزیر علی خاں کو معزول کر کے اودھ کے حکمراں بنے انھیں اپنی مسند نشینی کے لئے انگریزوں

سے صلح کرنی پڑی اور ۱۰ رنومبر ۱۸۰۱ء کو لکھنؤ میں ایک نئے عہد نامہ پر دستخط کرنا پڑا۔ اس عہد نامہ کے تحت نواب وزیر سعادت علی خاں کو اپنا نصف ملک کمپنی سرکار کو دینا پڑا۔

۱۴ نواب وزیر سعادت علی خاں کی وفات کے بعد نواب غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے حکومتکی باگ ڈور سنبھالتے ہی اکتوبر ۱۸۱۹ء میں اپنی تاج پوشی

کرا کر اودھ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ نواب غازی الدین حیدر کے بادشاہت اختیار کرنے سے لے کر ۱۸۵۶ء تک کا زمانہ اودھ میں بادشاہی دور مانا جاتا ہے۔

۱۵ سید اسرار حسین۔ قدیم ہنر مندانِ اودھ۔ ص ۵۲۔۶۷

۱۶ ابو طالب لندنی۔ تفضیح الغافلین۔ ص ۹۴، ۱۱۹، ممارس آف دہلی اینڈ فیض آباد۔ جلد دوم ص ۴۸۔۵۱

۱۷۔ نواب واجد علی شاہ نے رقص اور موسیقی کے فن اور فنکاروں کو قدر دانی و سر پرستی فرما کے عوام وخواص میں مقبول کرا دیا تھا۔ واجد علی شاہ نے خود بہت سی راگنیوں کو ایجاد

کیا تھا اور رقص کا فن درگا پرساد سے سیکھا تھا اور اتنا کمال حاصل کر لیا تھا کہ وہ خود ایک گراں قدر رقاص اور اس فن میں بہت سے پہلوؤں کے

موجود تھے۔

۱۸۔ نواب واجد علی شاہ۔ تاریخ پری خانہ۔ ص ۶۰

۱۹۔ دیکھیں نواب واجد علی شاہ کی تصانیف بنی۔ تاجو دلہن اور قدیم ہنر مندانِ اودھ جو چھپ گئی ہیں اور انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔

۲۰۔ عبدالباری آسی۔ مجموعہ مثنویات میر حسن۔ ص ۲۳۔۳۹، ڈاکٹر فضل الحق۔ میر حسن حیات اور ادبی خدمات۔

ص ۲۶۰۔۲۶۴

ہزاروں دیوں کو یہاں کی پریوں نے پچھاڑا ہے ☆ نہیں لکھنؤ اک راجہ اندر کا اکھاڑہ ہے

انشاءاللہ خاں انشاء۔ کلیاتِ انشاء۔ ص ۲۰۷

عیش وعشرت سے ہے سدا دم ساز ☆ پیر ہو کوئی یا جواں ہوئے

مرزا محمد رفیع سوداؔ۔ کلیاتِ سوداؔ۔ ص ۲۱۷

کتابیات

Bibliography

ابو طالب لندنی اصفہانی۔ تفضیح الغافلین۔ نیشنل آرکاویز آف انڈیا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انشاءاللہ خاں انشاء

کلیاتِ انشاء۔ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء

عبدالباری آسی۔ مجموعہ مثنویات میر حسن۔ نول کشور۔ لکھنؤ ۱۹۴۵ء

عبدالحلیم شرر۔گزشتہ لکھنؤ۔الواعظ صفدر پریس۔لکھنؤ ۱۹۶۵ء

ڈاکٹر سید صفدر حسین۔لکھنؤ کی تہذیبی میراث۔نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۸ء

ہرچرن داس۔چہار گلزار شجاعی۔رولڈ گراف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔مولانا آزاد لائبریری کمال الدین حیدر۔سوانحات سلاطین اودھ۔نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۹ء

ڈاکٹر فضل الحق۔میر حسن حیات اور ادبی خدمات۔جمال پرنٹنگ پریس۔دہلی ۱۹۷۳ء

لچھمی نرائن شفیق۔رقعات لچھمی نرائن۔منشی نول کشور پریس۔۱۸۸۲ء

مرزا محمد حسن قتیل ہفت تماشہ۔نول کشور لکھنؤ ۱۸۲۰ء، مکتبہ برہان دہلی ۱۹۶۸ء۔اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر۔مرزا محمد رفیع سودا۔کلیاتِ سودا نول کشور پریس کانپور ۱۹۱۶ء

مرزا جعفر حسین۔قدیم لکھنؤ کی آخری بہار۔ترقی اردو بیورو۔نئی دہلی ۱۹۸۱ء

نجم الغنی۔تاریخ اودھ۔مطبع مطلع العلوم مرادآباد ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۲ء

نواب واجد علی شاہ۔تاریخ پری خانہ۔ہندی ترجمہ راج پال اینڈ سنس ۱۸/ جنوری ۲۰۱۷ء

ریحانہ بیگم۔اودھ کی معاشرت و ثقافت تاریخ کے آئینہ میں۔ادارہ ادبیات دلّی ۲۰۱۷ء

Socio- Cultural Aspects of Awadh (1722-1856),Delhi-2017

سید اسرار حسین۔قدیم ہنرمندانِ اودھ۔لکھنؤ ۱۹۳۶ء

☆☆☆